رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند کردار اور اعلیٰ صفات قرآن مجید سے معلوم ہوتی ہیں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند کردار اور اعلیٰ صفات قرآن مجید سے معلوم ہوتی ہیں

(خطاب فرمودہ ۱۸؍نومبر ۱۹۵۱ء برموقع جلسہ سیرۃ النبیؐ بمقام بیت مبارک ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''مَیں آج محض اِس غرض کے لئے جلسہ میں آ گیا ہوں کہ مجھے عرصہ سے سیرت النبیؐ کے جلسوں میں بولنے کا موقع نہیں ملا، ورنہ میری صحت اِس امر کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ مَیں جلسہ میں آؤں اور تقریر کروں۔ میرا گلہ بیٹھا ہؤا ہے اور کھانسی کی شکایت ہے۔ کل بخار بھی رہا ہے اور اس سے پہلے بھی بخار آتا رہا ہے اِس لئے میرے لئے کھڑا ہونا مُشکل ہے۔ پس میری یہاں آنے کی اصل غرض یہ نہیں کہ مَیں کوئی تقریر کروں۔ تقریریں لوگ کرتے ہی ہیں بلکہ میری یہاں آنے کی غرض حصولِ برکت تھی جو اِس قسم کے جلسوں میں شمولیت کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے۔ مَیں جب یہاں پہنچا تو اِس بات کو دیکھ کر مجھے سخت افسوس ہؤا کہ اکثر لوگوں نے اس بارہ میں بے توجہی سے کام لیا ہے۔ جو لوگ جلسہ میں حاضر ہیں وہ ربوہ کی آبادی کے تیسرے حصّہ سے بھی کم ہیں۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ ہم باہر تو تحریک کرتے ہیں کہ احمدی اور غیر احمدی تو کیا، غیر مسلم بھی اس قسم کے جلسوں میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں لیکن خود ہماری دلچسپی کا یہ حال ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سُننے کے لئے سال میں ہم ایک دن بھی نہیں نکال سکتے۔ اِس سال جلسہ کی حاضری دیکھ کر مَیں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ گزشتہ سالوں میں بھی ویسی

ہی بے توجہی برتی گئی ہوگی اور کارکنوں نے اس پر کوئی نوٹس نہیں لیا ہوگا اور جماعت کے افراد کو ان کے فرائض کی طرف توجہ نہیں دلائی ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے مقام سے گرتے چلے گئے اور آخر وہ دن آ گیا جب اکثریت اپنے فرائض سے غافل ہوگئی اور صرف اقلّیت فرائض کو پہچاننے والی رہ گئی۔ پس بہرحال یہاں آنے کے نتیجہ میں مجھے ایک برکت تو حاصل ہوگئی۔ مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ کارکن اپنے فرائض کو صحیح طور پر ادا نہیں کر رہے اور اس کے نتیجہ میں جماعت کی توجہ اس اہم کام کی طرف کم ہوگئی ہے۔

دُنیا میں ہر چیز خواہ وہ بیماری ہو یا تندرستی، وہ دوسروں پر اثر ڈالتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مجلس میں اگر ایک شخص کھانستا ہے تو اس کے ساتھ دس افراد اور کھانسنے لگ جاتے ہیں حالانکہ وہ اس سے پہلے کھانس نہیں رہے تھے اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کی کھانسنے کی آواز کان میں پڑتے ہی ساتھ والے افراد کے اعصاب بھی اسی قسم کی حرکت کرنے لگتے ہیں جس قسم کی حرکات کے نتیجہ میں کھانسی پیدا ہوتی ہے۔ مجلس میں ایک شخص اُباسی لیتا ہے تو جھٹ دس پندرہ اور افراد بھی اُباسی لینے لگ جاتے ہیں کیونکہ وہ اُسے اُباسی لیتے ہوئے وہی حالات اور کیفیات محسوس کرنے لگ جاتے ہیں جن حالات اور کیفیات کے نتیجہ میں اُباسی پیدا ہوتی ہے۔ ایک آدمی دَوڑتا ہؤا نظر آتا ہے تو دوسرے کئی لوگ بھی دَوڑنے لگ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کوئی حادثہ ہوگیا ہے یا کوئی تماشہ ہے جس کی طرف لوگ بھاگے جارہے ہیں۔ اِسی طرح دوسرے کاموں میں بھی خواہ وہ دینی ہوں یا دُنیوی لوگ ایک دوسرے کی نقل کرتے ہیں۔ اِسی طرح یہاں بھی ہؤا ہے جب دس پندرہ افراد نے سُستی کی اور کارکنوں نے اس طرف توجہ نہیں کی تو دوسری دفعہ پچاس، ساٹھ افراد نے سُستی سے کام لیا اور جب ان پر بھی کارکنوں نے کوئی ایکشن نہ لیا تو تیسری دفعہ سَو، دوسَو افراد نے سُستی سے کام لیا اور جب پھر بھی کارکنوں نے اس طرف توجہ نہ کی تو چار پانچ سَو افراد نے سُستی کی اور جب کارکنوں کو اتنی کمی نظر آئی تو اُنہوں نے سمجھ لیا کہ رسّہ ہاتھ سے نکل چُکا ہے اب اس کی اصلاح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اگر جماعت کو اِنہی حالات میں سے گزرنے دیا گیا تو دس پندرہ سال کے بعد یہ حالت ہو جائے گی کہ دس بارہ سیکرٹری جمع ہو جایا کریں گے اور شاید اخبار میں یہ شائع کر دیا جایا کرے گا کہ نہایت شاندار جلسہ ہؤا، دُھواں دھار تقریریں ہوئیں، زوردار لیکچر دیئے گئے۔ اِس طرح یہ چیز الفضل کا ریزولیوشن بن کر رہ جائے گی، اس میں حقیقت نہیں ہو گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نظارہ نہیں ہو گا بلکہ تمسخر ہو گا۔

اب مَیں ہدایت دیتا ہوں کہ جلسہ میں آنے والوں کی لسٹیں تیار کرو تا کہ نہ آنے والوں کی نگرانی کی جاسکے۔ پھر ان سے پوچھو کہ وہ جلسہ میں کیوں نہیں آئے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان جلسوں کو چھٹی لینے کا ذریعہ بنا لیا جاتا ہے۔ یوم التبلیغ کو لے لو۔ اُس دن سب اداروں میں چھٹی ہوتی ہے لیکن کارکن تبلیغ کے لئے باہر نہیں جاتے اور جب کارکن تبلیغ کے لئے باہر نہیں جاتے تو اُنہیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی سُستی کرتے ہیں لیکن مجھے نظارت کی طرف سے چٹھی آجاتی ہے کہ ایک دن کی چھٹی منظور کی جائے، ہم نے تبلیغ کے لئے جانا ہے لیکن چھٹی ہو جانے کے باوجود نہ ناظر باہر جاتے ہیں نہ وکلاء باہر جاتے ہیں اور نہ دوسرے کارکن باہر جاتے ہیں۔ مَیں اِس چیز کو دیکھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ آخر یہ غفلت کب دُور ہو گی؟ لیکن رپورٹیں آجاتی ہیں کہ سب لوگ تبلیغ کے لئے باہر گئے ہوئے تھے حالانکہ باہر جانیوالے صرف اُستاد، طالب علم اور کچھ مخلصین ہوتے ہیں۔ کارکنوں میں سے ایک چوتھائی حصّہ بھی باہر نہیں جاتا۔ تمام ناظر اور وکلاء گھروں میں جا بیٹھتے ہیں اور اُس دن چھُٹی مناتے ہیں حالانکہ چھُٹی دی ہی اس لئے جاتی ہے کہ لوگ باہر جائیں اور تبلیغ کریں۔ اِس نقص کو دیکھ کر مَیں نے قادیان میں یہ حُکم دیا تھا کہ جو تبلیغ کے لئے باہر جائیں صرف انہیں چھُٹی دی جائے، باقی کارکن دفاتر میں کام کریں لیکن اس حُکم کے باوجود اس دن کو چھُٹی کا دن بنا لیا جاتا ہے۔ گویا یومُ التبلیغ کیا ہے قادیان کا قدموں کا میلہ ہے یا لاہور کا چراغاں کا میلہ ہے اور یا لائلپور کی طرح کی جانوروں کی منڈیاں ہیں۔ صحیح روح پیدا نہیں کی گئی۔

پس مَیں سمجھتا ہوں کہ میرے یہاں آنے کے نتیجہ میں ایک فائدہ یہ بھی ہؤا ہے کہ

مجھے پتہ لگ گیا ہے کہ کارکن اپنے فرائض کی طرف توجہ نہیں دے رہے۔ باوجود اِس کے کہ مجھے جلسہ میں آنے کی طاقت نہیں تھی، میری طبیعت خراب تھی لیکن کل خدا تعالیٰ نے میرے ذہن میں ڈال دیا کہ مَیں جلسہ میں ضرور جاؤں۔ مَیں ایک دو سال سے سُن رہا تھا کہ لوگ اس طرف پوری توجہ نہیں دیتے اور ان میں وہ جوش اور ولولہ نہیں ہوتا جو عاشق کو اپنے معشوق کی ملاقات کے وقت ہوتا ہے سو آج یہاں آنے سے اس کی تصدیق ہوگئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کوئی ایسی چیز نہیں ہیں کہ جنہیں کوئی انسان ایک بیٹھک میں یا ایک تصنیف میں بیان کر سکے۔ آپ کے اعمال، آپ کے اقوال اور آپ کے جذبات اتنے متنوّع تھے اور اتنی اقسام پر مشتمل تھے کہ انہیں ایک وقت میں یا ایک بیٹھک میں محسوب کر لینا، گِن لینا اور شُمار کر لینا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ درحقیقت جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفاتِ الٰہیہ کو بیان کیا ہے اور ایسے رنگ میں بیان کیا ہے کہ اور کوئی شخص اس طرح صفاتِ الٰہیہ کو بیان نہیں کر سکا اِسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو جس طرح قرآن کریم نے بیان کیا ہے یا خدا تعالیٰ نے ان کا احاطہ کیا ہے اُس طرح اور کوئی انسان ان کو بیان نہیں کر سکتا اور نہ ان کا احاطہ کر سکتا ہے۔

احادیث کی کُتب میں حضرت عائشہؓ سے ایک قول مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کَانَ خُلُقُهٗ كُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ[1] اس کے ایک معنے تو یہ ہیں جو ہمیشہ کئے جاتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام صفات اور تمام خوبیاں قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں۔ یعنی قرآن کریم میں جن اخلاق کو سکھایا گیا ہے اُن سب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے۔ لیکن اس کے ایک دوسرے معنے بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اگر تم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور خوبیوں کو جمع کرنا چاہو اور اُن کا احاطہ کرنا چاہو تو وہ سب کی سب قرآن کریم میں مل سکتی ہیں۔ وہ سب کی سب کسی انسانی تصنیف میں نہیں مل سکتیں۔ انسان اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، اعمال اور خوبیوں کو گِنے گا تو ان میں بہت سی کوتاہی رہ جائے گی اور جب تم اس کتاب کو دیکھو گے تو کہو گے اوہو! وہ فلاں خوبی بیان

کرنا تو بھول گیا لیکن قرآن کریم لکھنے والا بھولتا نہیں۔ اس لئے جب تم قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں آپ کے اعمال واقوال اور اخلاق دیکھو گے تو تم یہ نہیں کہو گے کہ اوہو! فلاں چیز رہ گئی ہے بلکہ تم یہ کہو گے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ خوبی بھی تھی لیکن مَیں نے اِس کا خیال نہیں کیا تھا۔ پس اگر کسی انسان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں، اخلاق اور اعمال واقوال کا احاطہ کرنا ہو تو اِس کا ذریعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو دیکھا جائے اور معلوم کیا جائے کہ آپؐ کے کیا اعمال ہیں اور آپؐ کے کیا اقوال ہیں۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ قرآن کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف، سیرت اور سوانح پر مشتمل نہیں لیکن اِس میں یہ خوبی ہے کہ جب وہ کوئی مضمون لیتا ہے تو اس کے تمام متعلقہ مضامین کو اُس کے نیچے تہہ بہ تہہ جمع کر دیتا ہے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح زمین کے طبقات ہوتے ہیں۔ اوپر کے طبقہ میں اور قسم کی مٹی ہوتی ہے، دوسرے طبقہ میں اور قسم کی مٹی ہوتی ہے، تیسرے طبقہ میں اور قسم کی مٹی ہوتی ہے۔ اور جب ہم کسی زمین کو دیکھتے ہیں تو اندازہ لگاتے ہیں کہ یہ زمین اچھی پیداوار دینے والی ہے یا بُری پیداوار دینے والی ہے۔ یہ کنکریلی زمین ہے یا اس میں عمدہ لیسدار مٹی پائی جاتی ہے اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں فصل اچھی ہوگی یا خراب ہوگی۔ مکان اچھے تعمیر ہوں گے یا خراب تعمیر ہوں گے، بنیادیں گہری کھودنی پڑیں گی یا تھوڑی، عمارت کئی منزلوں کی بن سکے گی یا وہ زمین زیادہ بوجھ برداشت نہیں کر سکے گی لیکن ایک ماہرفن اس زمین کو کھودے گا تو کہدے گا کہ اتنے گز زمین کھودنے کے بعد پتہ لگتا ہے کہ اتنے ہزار سال پہلے اس جگہ میں پانی ہوتا تھا اور وہ اپنے اندر فلاں قسم کے جانور اور حیوانات رکھتا تھا۔ پھر وہ چند گز اور مٹی کھودے گا اور اس زمین سے جس کو سرسری طور پر دیکھ کر ہم نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس میں فصل زیادہ ہوگی یا کم، عمارت کئی منزلوں والی بن سکے گی یا نہیں، وہ ماہرِ فن یہ نتیجہ نکالے گا کہ فلاں فلاں وقت میں اس زمین میں یہ یہ تبدیلیاں اندرونی آگ یا گرمی کی وجہ سے پیدا ہوئیں یا دھاتوں نے پگھل پگھل کر اِس کے اندر یہ یہ تغیرات پیدا کر دیئے۔

اِسی طرح وہ نیچے چلتا جائے گا اور تاریخ کے مختلف زمانے بیان کرتا جائے گا۔ وہ محض اس زمین کو دیکھ کر دو دو تین تین ہزار سال تک کے واقعات بیان کرے گا اور یہ سب چیزیں زمین کے اندر مخفی ہوں گی۔ یہی حال قرآن کریم کا ہے۔ اس کے مطالب بھی الفاظ کی تہوں کے نیچے چُھپے ہوتے ہیں۔ اگر زمین کی سب چیزوں کو باہر نکال کر پھیلا دیا جائے تو انسان کا زمین پر چلنا پھرنا مُشکل ہو جائے گا لیکن چونکہ وہ سب چیزیں زمین کے اندر تہہ بہ تہہ رکھی ہوئی ہیں اس لئے ہم اس کے اُوپر چلتے پھرتے ہیں لیکن جب اسے کھودتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً اِس کے اندر چونے کی چٹانیں ہیں۔ اگر وہ چُونے کی چٹانیں باہر نکال کر سطح پر پھیلا دی جائیں تو کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہاں ربوہ آباد ہو سکتا تھا؟ یہ جگہ بجائے آدمیوں کے چٹانوں سے بھری ہوئی ہوتی۔ اِس طرح وہ سب مطالب جو قرآنی الفاظ کی تہوں میں چُھپے ہوئے ہیں باہر نکال لئے جاتے اور ظاہری الفاظ میں انہیں بیان کیا جاتا تو جیسے اس زمین کی اندر کی چیزیں اگر باہر آ جائیں تو ربوہ آباد نہیں ہو سکتا تھا وہ چیزیں پھیل کر سینکڑوں میل کا علاقہ رُک جاتا اِسی طرح قرآن کریم کو بھی انسان نہیں پڑھ سکتا تھا۔ وہ اتنی بڑی کتاب ہو جاتی کہ کتاب نہ رہتی ایک عظیم الشان لائبریری ہو جاتی اور اس میں ہزاروں کُتب رکھی ہوئی ہوتیں۔ ایک نسلِ انسانی کہہ دیتی کہ ہم نے اس کے پانچ سَو صفحات پڑھے ہیں، دوسری کہتی کہ ہم نے اس کے ایک ہزار صفحات پڑھے ہیں۔ اب قرآن کریم ایک چھوٹی سی کتاب ہے لیکن زمین کی طرح اِس کی ایک تہہ کے نیچے ایک مضمون ہے دوسری تہہ کے نیچے دوسرا مضمون ہے تیسری تہہ کے نیچے تیسرا مضمون ہے اور اس طرح تھوڑے سے الفاظ میں ہزاروں مضامین بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حفظ کرنے والے اِسے آسانی سے حفظ کر سکتے ہیں اور پڑھنے والے اِسے جلدی پڑھ لیتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور سوانح بھی قرآن کریم میں تہہ بہ تہہ بیان کئے گئے ہیں۔ ظاہر الفاظ میں مضمون اَور ہوتا ہے لیکن ان کے نیچے اَور مضامین بھی ہوتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو پہلا مقام جہاں آپ پر کلامِ الٰہی نازل ہؤا وہ غارِ حرا تھی۔ دُنیا کے لیڈر جب کوئی اُمنگ رکھتے ہیں یا اپنے اندر کوئی خوبی

دیکھتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو باہر لاتے ہیں اور اپنی خوبیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس طرح لوگوں کی توجہ اُن کی طرف پھرتی ہے اور وہ اپنے اِرد گرد ایک جماعت اکٹھی کر لیتے ہیں لیکن اِس کے برخلاف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے الگ ہو گئے تھے۔ آپ غارِ حرا میں چلے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک آپ وہاں عبادت کرتے تھے۔ غارِ ثور تک تو میں جا نہیں سکا میرے دل کو اُن دنوں تکلیف تھی اور غارِ ثور پہاڑ پر ایک ننگی جگہ واقع ہے اور اس کے نیچے کھڈ آتی ہے۔ عین اُس جگہ پہنچ کر کہ جہاں سے غارِ ثور قریباً سَو گز رہ گئی تھی مَیں بیٹھ گیا اور اپنے ایک ساتھی کو وہاں بھیجا کہ وہ غار دیکھ آئے۔ غارِ حرا میں مَیں خود گیا ہوں اور قریباً ایک گھنٹہ تک مَیں نے وہاں نماز پڑھی ہے اور دُعائیں کی ہیں۔

غارِ حرا استعارہ کے طور پر غار کہلاتی ہے لیکن دراصل وہ غار نہیں بلکہ حرا پہاڑی پر چڑھ جائیں تو جو رستہ معروف ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ کہ یہی رستہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا بہرحال جو اِس وقت معروف رستہ ہے اس کے ذریعہ اگر پہاڑی کی چوٹی تک چلے جائیں تو اس کی چوٹی تک کوئی غار نہیں آتی۔ غارِ حرا میں جانے کے لئے چوٹی سے نیچے اُترنا پڑتا ہے اور چند گز نیچے جا کر ایک جگہ آتی ہے جسے غارِ حرا کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہاں زلزلہ آیا جس کے نتیجہ میں چوٹی سے ایک پتھر گرا جو نیچے جا کر ایک پتھر پر ٹک گیا اور ایک پہلو پر ایک اَور پتھر آ ٹکا اس طرح وہ جگہ ایک کمرہ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی جگہ ہے جس کا رقبہ سات آٹھ فٹ ہوگا کیونکہ مَیں نے جب وہاں نماز پڑھی ہے تو وہاں کوئی ایسی زائد جگہ نظر نہیں آتی تھی کہ دو تین آدمی وہاں بیٹھ جائیں لیکن یہ جگہ اُونچی ہے اور انسان کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر کے دوران میں اِس جگہ کو دیکھا اور اِسے عبادت کے لئے چُن لیا۔ غار اُسے کہتے ہیں جو زمین کے اندر گُھسی ہوئی ہو لیکن غارِ حرا زمین کے اندر گُھسی ہوئی نہیں بلکہ وہ تین چار پتھر ہیں جو ایک دوسرے کے سہارے کھڑے ہیں اور اِس طرح ایک کمرہ بن گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں عبادت کیا

کرتے تھے وہ علیحدگی معمولی علیحدگی نہیں تھی۔حرامکّہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ایک ویران جگہ میں واقع ہے اس کے قریب کوئی آبادی نہیں۔ اِتنی دُور جا کر بیٹھنا بڑی ہمت کا کام ہے اور یہ کام انسان اُسی وقت کر سکتا ہے جب وہ دُنیا سے بیزار ہو جائے اور اس سے بالکل علیحدگی اختیار کر لے۔آپ نے اس جگہ عبادت کی اور اس سے آپ کا یہ مطلب تھا کہ مَیں نے دُنیا بالکل چھوڑ دی ہے جیسے ہندوؤں کے سادھو پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں اور اس طرح لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت آپؐ کو یہ خیال آیا کہ یہ دُنیا رہنے کے قابل نہیں اصل ذات اللہ تعالیٰ کی ہے جس سے دل لگانا چاہئے۔اس وجہ سے مکّہ سے دُور جا کر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے۔اُس زمانہ کے لحاظ سے یہ سامان ستّو، کھجوریں اور چھاگل پانی کی قسم کا ہؤا کرتا تھا اور عرب میں اتنی غذا کو کافی سمجھا جاتا تھا۔شوربہ چاول تو دو چار دن تک کام نہیں دے سکتے۔زیادہ دیر تک یہی خشک چیزیں کام دیتی ہیں۔حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آپ کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے اور کئی کئی دن تک غارحرا میں عبادت کرتے۔جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور مزید سامان لے کر واپس غارِحرا چلے جاتے۔[۲] اِس عرصہ میں آپ پر خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہؤا۔ ایک فرشتہ آیا اور اُس نے کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۳ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۴ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۵ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۶ [۳] یہ پہلا کلام ہے جو آپ پر نازل ہؤا اور غارِحرا میں نازل ہؤا۔اِس کا ایک پہلو تو تعلیمی ہے اس کو مَیں اِس وقت نظرانداز کرتا ہوں۔مَیں یہ کہتا ہوں کہ جب کسی سے کلام کیا جاتا ہے تو پہلا مخاطب وہی ہوتا ہے اور کلام میں اس کا لحاظ کیا جاتا ہے۔قرآن کریم کے پہلے مخاطب عرب لوگ تھے اِس لئے اِس میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ وہی ہیں جنہیں عرب لوگ جانتے تھے۔قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے یا عرب کے بعض نبیوں اور قوموں

کا ذکر ہے۔ جیسے ثمود اور عاد کا ذکر ہے جو عرب میں یا عرب کے کناروں میں گزری ہیں اور عرب لوگ ان سے واقف تھے لیکن قرآن کریم میں حضرت کرشن اور حضرت رام چندر علیہما السلام کا ذکر نہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کو قرآن کریم خدا تعالیٰ کا نبی نہیں مانتا۔ قرآن کریم نے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۵﴾ [4] کہہ کر ان کی نبوت کو تسلیم کیا ہے۔ اِس کا ایک طرف یہ کہنا کہ ہر قوم میں نبی گزرا ہے اور دوسری طرف ان سب کا ذکر نہ کرنا بلکہ صرف اُن کا ذکر کرنا جو عرب کے علاقہ میں گزرے ہیں یا اُس کے اِرد گِرد گزرے ہیں یہ بتاتا ہے کہ قرآن کریم میں صرف اُن انبیاء اور قوموں کا ذکر ہے جو عرب کے ساتھ ساتھ تھیں اور عرب لوگ اُنہیں جانتے تھے کیونکہ جو شخص پیغام کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے وہ صحیح طور پر پیغام نہیں پہنچا سکتا۔ صحیح پیغام پُہنچانے کے لئے ضروری تھا کہ جن کو وہ پیغام دیا گیا ہے وہ اُسے سمجھ سکتے اِس لئے قرآن کریم میں صرف اُن انبیاءؑ اور قوموں کا ذکر آتا ہے جن کو عرب لوگ جانتے تھے تا وہ ان واقعات سے نتیجہ اخذ کر سکیں اور اس کے بعد غیر معروف نبیوں کا صرف اصولی طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ پس جب بھی کسی سے کلام کیا جاتا ہے تو کلام میں مخاطب کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اب اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ایک فقرہ ہے جس میں بظاہر یہ پیغام دیا گیا ہے کہ پڑھ اپنے رب کا نام لے کر جس نے تجھے پیدا کیا ہے اور رب کے معنے ہیں وہ ذات جس نے انسان کو پیدا کیا اور پھر ایسے ذرائع مہیا کئے جن پر عمل کر کے وہ دُنیا میں ترقی کر سکتا ہے اور پھر بڑھاتے بڑھاتے انسان کو کمال تک پہنچا دیا۔ پس جہاں تک انسان کی پیدائش کا سوال ہے وہ لفظ رب میں آجاتا تھا اور یہ کہنا کافی تھا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ پڑھ اُسی رب کا نام لے کر جس نے دُنیا کو پیدا کیا ہے لیکن اِس جگہ ''اپنے رب'' کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور ان الفاظ سے بنی نوع انسان کی پیدائش اور ان کی ربوبیت کے مضمون سے ترقی کر کے خود اُس فردِ مخاطب کی پیدائش اور ربوبیت کی طرف توجہ پھیری گئی ہے جو قرآن کریم کا سب سے پہلا مخاطب ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

اِس آیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فطرت کا پتہ لگتا ہے۔ بہت سے انسان سوچ سمجھ کر کام نہیں کرتے بلکہ عادتاً یا رسم و رواج کی نقل میں کام کرتے ہیں۔ کسی کو اگر فرشتہ نظر آجاتا ہے تو یہ ایک شاندار حادثہ ہے اِس کے لئے اس شخص کو کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب انسان کوئی ایسی چیز دیکھتا ہے جو عام حالات میں سامنے نہیں آتی تو دوسرا بے شک یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ وہم ہے۔ لیکن جس شخص پر یہ بات گزرتی ہے وہ اسے وہم نہیں سمجھتا وہ اسے حقیقت سمجھتا ہے۔ مثلاً ایک شخص خواب میں سانپ دیکھتا ہے وہ روتا ہے، چیختا ہے اور دوڑتا ہے۔ اب دوسروں کے لئے تو یہ ایک خواب ہے لیکن جس نے یہ نظارہ دیکھا ہے اُس پر وہ تمام کیفیات طاری ہو جاتی ہیں جو فِی الواقعہ سانپ دیکھنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ اِسی طرح فرض کرو کہ ایک شخص فرشتہ دیکھتا ہے لیکن دراصل وہ فرشتہ نہیں ہوتا بلکہ محض وہم ہوتا ہے تو بھی دیکھنے والے کے لئے وہ نظارہ نہایت ڈراؤنا اور ہیبت ناک ہوتا ہے۔ وہ ڈرتا ہے اور اُس کا دل مرعوب ہو جاتا ہے۔ اگر تمہیں محض ایک فرشتہ نظر آتا اور وہ کہتا اُٹھو اور فلاں کام کرو تو تم فوراً وہ کام کرنے لگ جاتے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرشتہ نظر آتا ہے جنگل میں جہاں آپ اکیلے تھے۔ ایک ہیبت ناک چیز کا سامنے آجانا جو پہاڑوں کی پرواہ بھی نہیں کرتی اور اُنہیں طے کر کے آجاتی ہے کوئی کم ہیبت ناک نظارہ نہیں تھا مگر جب وہ فرشتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتا ہے اور کہتا ہے اِقْرَاْ تو عالم الغیب خدا جانتا تھا کہ محمد رسول اللہ صرف فرشتہ کے کہنے کی وجہ سے پڑھنے نہیں لگ جائیں گے وہ دلیل چاہیں گے۔ اِس لئے اُس نے اس پیغام میں جو آپ کو دیا گیا ساتھ دلیل بھی رکھ دی اور اِقْرَاْ ہی نہیں کہا بلکہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ سے آپ کو مخاطب کیا گیا تا آپ کہہ سکیں کہ آپ کو کیوں پڑھنا چاہئے اور آپ کے پڑھنے میں کوئی فائدہ بھی ہوگا یا نہیں۔ اگر خالی اِقْرَاْ کہا جاتا تو آپ خیال کر سکتے تھے کہ مَیں اپنی قوم کو اور اپنے شہر کو چھوڑ کر یہاں آ گیا ہوں۔ میری قوم کو جو رُتبہ حاصل تھا مَیں نے اُس کی بھی پرواہ نہیں کی اس لئے کہ وہ جو کچھ کرتی تھی بِلا دلیل کرتی تھی اب مَیں اس کی بات کیوں مانوں۔ پس آپ کے اخلاق کا پہلا حصّہ

اِس آیت میں نظر آجاتا ہے اِس لئے کہ جب فرشتہ نے کہا اِقْرَاْ تُو پڑھ تو اس نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی کہا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ تُو اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ یعنی جو خدا تیرا خالق و مالک ہے وہ اپنے خالق و مالک ہونے کی وجہ سے تجھے حُکم دیتا ہے بلا وجہ حُکم نہیں دیتا۔ اِس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فطرتِ صحیحہ کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ کوئی کام بِلا وجہ اور بِلا دلیل نہیں کرتے تھے۔ جب کوئی انسان اس حکمت کے ماتحت کام کرنے لگ جائے تو خواہ اسے الہام کی روشنی نصیب نہ ہو، وہ شاندار کام کر جاتا ہے۔ چنانچہ بعض جرنیلوں نے باوجود اسباب کی کمی کے نہایت شاندار کام کیا ہے اِس لئے کہ وہ فطرت کے مطابق چلتے تھے۔ خالدؓ، سعد بن وقاصؓ، عمرو بن عاص نے صحابہؓ میں سے اور موسیٰ، طارق، محمد بن قاسم نے قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں میں سے اور چنگیز خان، قبلائی خاں اور باتو خاں اور تیمور نے ایشیائی مسلمانوں اور غیر مسلموں میں سے حیرت انگیز کام کئے ہیں۔

چند دن ہوئے مَیں ''باتو خاں'' کے متعلق کچھ باتیں معلوم کرنے کے لئے انسائیکلوپیڈیا دیکھ رہا تھا تو مَیں نے اُس میں پڑھا کہ اُس کے زمانہ میں لاریاں نہیں تھیں، گاڑیاں نہیں تھیں اور نہ دوسرے موجودہ زمانہ کے نقل وحرکت کے سامان میسر تھے۔ باجود اِس کے وہ ایک لشکرِ جرار کے ساتھ آیا۔ یورپ کی تمام قومیں اور حکومتیں اس کے مقابلہ کے لئے اکٹھی ہو گئیں۔ وہ چکر کھا کر پولینڈ کی طرف چلا گیا، یورپین قومیں خوشیاں منانے لگیں کہ ہم باتو خاں سے بچ گئے ہیں لیکن ابھی وہ لوگ خوشی کا جشن ہی منا رہے تھے کہ وہ بجلی کی سی رفتار سے پولینڈ کو فتح کرتے ہوئے ہنگری کے اُن میدانوں میں اُتر آیا جہاں یورپ کی فوجیں جمع تھیں۔ غرض باوجود سامانِ نقل وحرکت کے نہ ہونے کے یہ لوگ اس طرح سفر کرتے تھے جس طرح آندھیاں چلتی ہیں اور یہ محض ہوشیاری اور ذہانت کی وجہ سے تھا۔ وہ لوگ بے سوچے سمجھے کام نہیں کرتے تھے بلکہ عقل سے کام لیتے تھے۔ اِسی طرح تیمور تھا، نپولین تھا، یا اِس زمانہ میں ہٹلر تھا۔ چاہے وہ ناکام ہو گیا لیکن ایک عرصہ تک لوگ حیران تھے کہ وہ کیا کرتا ہے۔

پس فطرتِ صحیحہ سے کام لینے والا شاندار کام کر جاتا ہے اور جب اس فطرت کے ساتھ نور مل جائے تو پھر نُـوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ کو ایسی فطرت عطا ہوئی تھی کہ اگر آگ نہ بھی ہوتی تب بھی وہ جل اُٹھتی ۔اس کے معنے یہ ہیں کہ نور نے آکر فطرتِ صحیحہ کو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کر دیا تھا لیکن فطرتِ صحیحہ آپ کو پہلے سے عطا کی جا چکی تھی۔ خدا تعالیٰ کا پہلا کلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کتنے ڈراؤنے اور حیران کُن حالات میں نازل ہوتا ہے۔ایک شخص تنہائی میں شہر سے کئی میل دُور عبادت کر رہا تھا کہ ایک فرشتہ آتا ہے اور جن حالات میں وہ فرشتہ آتا ہے وہ کوئی کم ہیبت ناک نہیں ۔ وہ حیران ہوتا ہے کہ یہ کیسا وجود ہے کہ جس طرح چاہتا ہے آتا ہے۔ جنگل اور پہاڑیاں بھی اسے روک نہیں سکتیں ۔ اِس رُعب کی موجودگی میں اور اِس ہیبت ناک نظارہ کی موجودگی میں بھی خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ اگر کوئی بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہی جائے گی تو آپ کہیں گے ،مَیں یہ کام کیوں کروں پہلے میری تسلی کرو۔ اِس لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ تُو اپنے اس رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا ہے یعنی ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دے دی ۔ ’’رَبِّكَ‘‘ کہہ کر بتایا کہ تیرے پیدا کرنے والے کا تُجھ پر حق ہے تُو اِس حق کو پورا کرنے کے لئے یہ کام کر۔مگر ابھی یہ سوال رہ جاتا تھا کہ کیا جن کی طرف پیغام بھیجا جا رہا ہے اُن پر بھی پیغام بھجوانے والے کا کوئی حق ہے؟ سو الَّذِيْ خَلَقَ کہہ کر بتایا کہ وہ تیرا رب ہی نہیں سب مخلوق کو اس نے پیدا کیا ہے۔ پس اس کا حق ہے کہ ان سے بھی اپنی فرمانبرداری کا مطالبہ کرے۔ پس تجھے کسی ایسے کام کے لئے نہیں بھجوایا جاتا جس کا تجھے حق نہیں بلکہ تجھے بھجوانے والے کا اُن پر بھی حق ہے۔اس آیت میں خَلَقَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے خَلَقَ کی حد بندی نہیں کی گئی اس سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت خَلَقَ وسیع ہے اور اس کی مخلوقات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ گویا خَلَقَ قائم مقام ہے خَلَقَ كُلَّ الْمَخْلُوْقَاتِ کا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تُو میرا پیغام پہنچانے کے لئے تیار ہو جا اِس لئے کہ مَیں پیغام دینے والا تیرا پیدا کرنے

والا اور تربیت کرنے والا ہوں اور جن لوگوں کی طرف بھجوا رہا ہوں وہ بھی میرے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ان کے بارہ میں رَبِّهِمْ کا لفظ استعمال نہیں کیا کیونکہ وہ قرآنی پیغام سے پہلے خدا تعالیٰ کی کامل ربوبیت تلے نہیں آئے تھے بلکہ صرف خَلَقَ کی صفت کے نیچے آتے تھے۔ اگر خالی یہ کہا جاتا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ تو اس سے شُبہ ہو سکتا تھا کہ شاید لوگوں پر جبر کیا جا رہا ہے۔ آخر خدا تعالیٰ کو انہیں حُکم دینے کا کیا حق ہے۔ پس الَّذِيْ خَلَقَ کے الفاظ زائد کر کے بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا محمد رسول اللہؐ پر اگر خالق و رب ہونے کا حق ہے تو دوسرے لوگوں پر خالق ہونے کا حق تو واضح ہے۔ گو رب ہونے کا حق ابھی مخفی ہے۔ جب تم خدا کے پیغامبر ہو کر ان تک خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچا دو گے تو خدا تعالیٰ کی ربوبیت کامل طور پر ان کی طرف بھی منتقل ہو جائے گی۔ گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کا اِن الفاظ میں نقشہ پیش کر دیا گیا ہے کہ آپ بِلا دلیل بات کو سُننے کے لئے کسی حالت میں تیار نہ تھے۔

اِس مرحلہ کے بعد اب ایک اَور مرحلہ پیش آتا ہے۔ بے دلیل بات نہ کرنے کے علاوہ فطرتِ صحیحہ یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ کوئی بے نتیجہ کام اُس سے نہ کروایا جائے۔ مانا کہ خدا تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ انسان کو حُکم دے مگر کیا اس کے حُکم کو ماننے کا کوئی امکان ہے؟ اگر اس کے ماننے کا کوئی امکان ہی نہیں تو یہ بے نتیجہ کام کیوں کیا جائے۔ اگلی آیت اس شُبہ کا ازالہ کرتی ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ انسان کے اندر تعلق بِاللہ کا مادہ رکھا گیا ہے اِس لئے خواہ تیرے مخاطب کتنے ہی تقویٰ اور خوفِ خدا سے دُور پڑے ہوئے ہوں فطرتاً ان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف لَوٹیں اور اُس سے محبت کریں۔ پس ظاہری حالات کے لحاظ سے یہ پیغام کتنا ہی کامیابی سے دُور نظر آتا ہے حقیقتاً ناممکن نہیں بلکہ اس کے کامیاب ہونے کے مخفی اور فطری سامان موجود ہیں۔

بظاہر تو اِس دلیل میں انسانی فطرت کی پاکیزگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مگر باطناً اِس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فطرت کے اِس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا

گیا ہے کہ آپ کوئی فضول اور بے نتیجہ کام کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ آپ وہی کام کرتے تھے جس کا کوئی فائدہ ہو۔ خواہ مادی خواہ قانونی یا اخلاقی۔ اور یہ ایک بہت زبردست پاکیزہ فطرت پر دلالت کرنے والی بات ہے۔

قرآن کریم ایک دوسری جگہ فرماتا ہے ہم نے انسان کو نُطفہ سے پیدا کیا ہے، نُطفہ سے ہم نے علقہ پیدا کیا اور علقہ سے مُضغہ بنایا۔ مُضغہ سے ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا اور اس کے بعد اس کے اندر ایک اہم تغیر کر کے روح پیدا کی[۵] لیکن اس آیت کے ایک تحت السطح معنے بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ عربی محاورہ میں خُلِقَ مِنْ شَیْءٍ کے یہ معنے بھی ہوتے ہیں کہ اس کی فطرت میں یہ چیز رکھی گئی ہے مثلاً وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ[۶] کے معنے ہوں گے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے لیکن جب ''مِنْ عَجَلٍ ''[۷] آ جائے تو اِس کے یہ معنے نہیں ہوں گے کہ ہم نے انسان کو جلدی سے پیدا کیا ہے۔ جلدی کوئی مادہ تو نہیں کہ اسے گھولا اور انسان پیدا کر دیا بلکہ اِس کے یہ معنے ہیں کہ انسان کی فطرت میں عُجلت رکھی گئی ہے۔ پس جہاں علق کے ایک معنے یہ تھے کہ ہم نے انسان کو اس حالت سے پیدا کیا ہے کہ وہ رحم سے چمٹا ہوا تھا وہاں اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ ہم نے انسان کی فطرت میں محبت اور علاقہ کا مادہ رکھا ہے۔ جیسے ''مِن عجل '' کے عربی محاورہ کے رو سے یہ معنے ہیں کہ انسان کے اندر عجلت رکھی گئی ہے۔ پس خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ کے ایک معنے یہ ہیں کہ انسان کی فطرت میں یہ مادہ رکھا گیا ہے کہ وہ کسی کا ہو رہے۔ شعراء اور صوفیا کا خیال بھی یہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پنجابی کا ایک مصرعہ سُنایا کرتے تھے جو اِس وقت مجھے یاد نہیں رہا لیکن اُس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو تُو کسی کا ہو جا یا کوئی تمہارا ہو جائے۔ پس خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ کے یہ معنے بھی ہیں کہ ہم نے انسانی فطرت میں محبت اور علاقہ کا مادہ رکھا ہے۔ ہم نے اسے اسی حالت پر پیدا کیا ہے کہ وہ کسی کا ہو رہے۔ اِس لئے اے رسول! تُو دوسرے لوگوں کے پاس جا اور اِس بات کا خیال نہ کر کہ بظاہر حالات وہ تیرے پیغام کو نہیں سُنیں گے کیونکہ ہم نے انسان کی فطرت میں یہ چیز رکھ دی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ہو کر رہنا چاہتا ہے۔ بے شک جب تک

اسے اصل چیز نہیں ملتی اس وقت تک کبھی وہ بیوی کا ہو رہتا ہے، کبھی بہن بھائی کا ہو رہتا ہے، کبھی وہ ماں باپ کا ہو رہتا ہے، کبھی وہ دوستوں کا ہو رہتا ہے، وہ درمیان میں بُھولتا پھرتا ہے مگر جب خدا تعالیٰ کے ملنے کا راستہ اُس پر کُھل جاتا ہے تو پھر وہ خدا تعالیٰ ہی کا ہو کر رہتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنگ بدر کے موقع پر دیکھا کہ ایک عورت کا بچہ گم ہو گیا ہے اور وہ میدانِ جنگ میں اپنے بچہ کو تلاش کرنے کے لئے ماری ماری پھر رہی ہے۔ اسے جہاں کوئی بچہ ملتا وہ اسے پیار کرتی اور گلے لگاتی لیکن جب دیکھتی کہ وہ اُس کا اپنا بچہ نہیں تو اسے چھوڑ دیتی اور آگے چلی جاتی یہاں تک کہ اُسے اپنا بچہ مل گیا۔ اُس نے اُسے پیار کیا، گلے لگایا اور ایک جگہ آرام سے بیٹھ گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آپ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یہی حالت خدا تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ جس طرح یہ عورت جب اِسے کوئی بچہ ملتا ہے تو اُس سے پیار کرتی ہے، گلے لگاتی ہے اور جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرا بچہ نہیں تو اُسے چھوڑ کر آگے چلی جاتی ہے حتّٰی کہ اسے اپنا بچہ مل جاتا ہے اور وہ سکون سے ایک جگہ پر بیٹھ جاتی ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لئے ہر وقت بیتاب رہتا ہے۔ جب بندہ صحیح رنگ میں توبہ کر کے اُسے مل جاتا ہے تو وہ ویسا ہی سکون محسوس کرتا ہے جس طرح کا سکون اس ماں نے محسوس کیا ہے۔[۸]

پس خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ کے معنے یہ ہیں کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس میں تعلق اور محبت پیدا کرنے کا مادہ رکھ دیا ہے اور اس میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اے رسول! تُو ان سے مایوس نہ ہو۔ ہم نے ان میں ایسا مادہ ودیعت کر رکھا ہے کہ وہ تجھے مانیں گے۔

غرض اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ میں بظاہر ایک پیغام دیا گیا ہے لیکن بباطن اس پیغام کے الفاظ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بِلا دلیل کسی کام کو کرنے کے لئے تیار نہ تھے نہ بِلا حق کسی سے کوئی کام کروانے کے لئے تیار تھے اور نہ کسی بے نتیجہ کام کو کرنے کے

لئے تیار تھے۔ اِن تین اعلیٰ اخلاق کو پیش کر کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی مثال بھی دُنیا کے سامنے پیش کر دی گئی ہے۔

اِس وقت میری صحت اِس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ مَیں کوئی لمبا مضمون بیان کروں۔ میری غرض اِس وقت آنے کی یہ تھی کہ تمہیں بتاؤں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کا نقشہ آپ کے پہلے الہام میں کس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ایک بااخلاق انسان کو جب کوئی کام دیا جاتا ہے تو پہلے وہ پوچھتا ہے کہ مجھے بتاؤ کہ مَیں تمہاری بات کیوں مانوں؟ مَیں ڈر سے کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔ جب اُس پر حق ثابت کیا جاتا ہے تو اعلیٰ اخلاق والا انسان یہ کہتا ہے کہ مَیں مانتا ہوں کہ آپ کا مجھ پر حق ہے لیکن اس کام کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے اِس لئے پہلے یہ بتاؤ کہ کیا تمہارا ان پر بھی حق ہے؟ اگر تمہارا ان پر بھی حق ہے تو پھر مَیں جاؤں گا اور یہ کام کروں گا۔ پھر جب یہ سوال حل ہو جاتا ہے تو اخلاقِ فاضلہ والا انسان یہ پوچھتا ہے کہ مخاطبین پر تمہارا حق سہی مگر کیا اِس پیغامبری کا مادی یا اخلاقی فائدہ ہے اور اس پیغام کے پہنچانے میں کوئی حکمت کارفرما ہے؟ اگر ایسا ہو تو مَیں یہ کام کر سکتا ہوں ورنہ نہیں کیونکہ اِس کے بغیر کام کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ گو مَیں ایک فرض بجا لاتا ہوں، گو مَیں لوگوں کو اُن کے فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں مگر ایک بے فائدہ اور بے نتیجہ کام کرتا ہوں۔ چنانچہ فطرتِ صحیحہ کے اِس مظاہرہ کا بھی جواب اِس آیت میں دیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ کام بظاہر بے فائدہ نظر آتا ہے مگر حقیقتاً بے فائدہ نہیں نتیجہ خیز ہے اور مفید ہے۔

غرض اِن آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حق ہے کیونکہ اس نے آپ کو پیدا کیا ہے اور تربیت کر کے کمال تک پہنچایا ہے۔ پھر مخلوقات پر بھی اُس کا حق ہے کیونکہ وہ ان کا بھی خالق و مالک ہے۔ پھر انسان کی فطرت میں خدائی محبت رکھی گئی ہے اِس لئے یہ کہنا کہ آپ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے غلط ہے۔ آج احمدی بھی کہتے ہیں کہ غیر احمدی کس طرح مانیں گے؟ تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو عَلَقٍ سے پیدا کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں محبت کا مادہ رکھ

دیا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ تم نے اسے ننگا نہیں کیا۔ اِس پر جو پردے پڑے ہیں اِن پردوں کو تم نے اُٹھایا نہیں۔ اگر تم ان پردوں کو اُٹھاؤ گے تو تمہیں خدا تعالیٰ کا وجود نظر آ جائے گا۔

مَیں اب ضُعف محسوس کر رہا ہوں اِس لئے اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ جتنی آیات مَیں نے پڑھی تھیں مَیں ان سب کی تفسیر بیان نہیں کر سکا لیکن مَیں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ یہ جلسہ نہایت اہم ہے۔ یہ جلسہ اُس عظیم الشان انسان کے حالات اور سوانح بیان کرنے کے لئے ہے جو نہ صرف خود ایک عظیم الشان انسان تھا بلکہ اُس نے ہمیں بھی عظیم الشان بنا دیا ہے۔ اِس جلسہ میں چھوٹے بچوں کو گھسیٹ کر لانا چاہئے تاکہ معلوم ہو کہ تمہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے والہانہ محبت ہے۔ محض خیالی محبت نہیں۔ (الفضل ۲۵ / مارچ ۱۹۵۲ء)

---

۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۱ مطبوعہ بیروت ۱۲۱۳ھ میں ''کَانَ خُلُقُهُ الْقُراٰنُ'' کے الفاظ ہیں۔

۲ بخاری کتاب بدء الوحی باب کَیْفَ کَانَ بدء الوحی اِلٰی رَسُوْل اللہ (الخ)

۳ العلق: ۲ تا ۶ ۴ فاطر: ۲۵ ۵ المؤمنون: ۱۴، ۱۵

۶ المؤمنون: ۱۳ ۷ الانبیاء: ۲۸

۸ بخاری کتاب الادب باب رحمة االولد و تقبیلہٖ و معانقتہٖ